

مولانا محمد حمزہ عالم قاسمی

دینی مدارس میں تعلیم و تربیت

دینی مدارس میں دو شعبوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے: شعبہ تعلیم اور شعبہ تربیت، تعلیم کی مثال جسم کی سی ہے: جبکہ تربیت روح کی مانند ہے، روح کی اہمیت جسم سے زیادہ ہے، اس کے بغیر جسم مردہ اور بے معنی ہے، اسی طرح تربیت کے بغیر تعلیم ادھوری اور غیر مفید رہتی ہے، تعلیم پھول ہے تو تربیت خوشبو، تعلیم الفاظ ہیں تو تربیت معانی، اور جب یہ دونوں اہمول جوہر انسانی رگ وریشہ میں سرایت کر جاتے ہیں تو اسی آن انسانیت اور انسان کی نافعیت کی تکمیل ہوتی ہے۔

دینی مدارس میں تعلیم کا محور دینی علوم کا حصول:

یعنی حلال و حرام کی پہچان، جائز و ناجائز کی معرفت، معروف و منکر کی شناخت، خود شناسی و خدا شناسی کا ہنر، خیر و شر کی تمیز، سنت و بدعت کی تفریق، حق و باطل کی چھان پھنگ، کمرے اور کھوٹے کی پرکھ، دہشت گردی و فرقہ پرستی و انسانیت نوازی میں امتیاز، موت و مابعد الموت کا یقین اور دین اسلام کی حقانیت کے دلائل کا علم، یہ تعلیم کے مختصر اہیادی مقاصد ہیں، جن کی بازیابی کے لیے ہمارے دینی مدارس وسیع پیمانے پر اپنے اعزاز میں سرگرم عمل ہیں، اور ان کو روبہ عمل لانے کے لیے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں، اور ان کی تکمیل کے لیے ضمنی و ذیلی شعبے قائم کیے ہوئے ہیں، جن سے طلبہ مستفید ہونے کی سعی و کوشش کرتے ہیں۔

تربیت:

اس عنوان کے تحت عمل، ادب، اخلاق اور تہذیب آتے ہیں، اس کا مقصد ہے سابقہ زندگی میں خاطر خواہ تبدیلی، خوف خدا کا استحضار، زندگی میں نظم و نسق سے واقفیت، فرائض و سنن کی کما حقہ پابندی، حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی مکمل پاسداری، والدین و اساتذہ کی دل کی گہرائیوں سے قدر دانی، بزرگوں کے مقام و مرتبہ کی شناخت، اجتماعی و انفرادی زندگی میں بڑوں و چھوٹوں کی رعایت، خلوت و جلوت میں جینے کا ڈھنگ، انہوں اور غیروں کی لطف رسانی کی فکر یا کم از کم نقصان نہ پہونچانے کا عزم، خدمت دین کا جذبہ اور ملک و ملت کی

خیر خواہی جیسے اوصاف کا پیدا ہو جانا تربیت کے دائرے میں آتا ہے، اور پھر ان اوصاف کے حاملین کی زندگی، وضع قطع اور رہن سہن سے نظم و ضبط اور ڈسپلن نہ صرف ظاہر ہوتا ہے؛ بلکہ دوسروں پر بھی اس کا دیر پا اثر پڑتا ہے، الغرض تربیت اخلاق تعلیم کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

دینی مدارس کا دور:

ہندوستان میں قائم کردہ دینی مدارس کے عہد کو دو خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے: مدارس کا ایک زریں دور وہ تھا جب مدارس کی بنیاد توکل و التمسیت پر قائم ہوا کرتی تھی، تقویٰ و طہارت ان کا شعار تھا، سنجیدہ نبوی کی پیروی ان کا نصب العین تھا، شریعت و طریقت کا حصول و اشاعت ان کا مشن تھا، اہل مدارس فکر معاش کے نہیں، فکر معاد کے تھے، یہاں جملہ محترضہ کے طور پر وضاحت ضروری ہے کہ قانون فطرت کے مطابق فکر معاد، فکر معاش سے آزادی میں محدود معاون ہے، فرق ”یقین محکم“ سے پڑتا ہے۔ اس دور کے مدارس دنیاوی ماحول، نام نہاد انگریزی تہذیب اور مادیت کے ریل پیل سے کنارہ کش تھے، اس دور کے مدارس میں اساتذہ و طلبہ نہ صرف تعلیم کی؛ بلکہ تربیت کے لیے بھی کوشاں رہا کرتے تھے، اور اگر یوں لکھ دیا جائے کہ تربیت پر توجہ زیادہ ہوتی تھی تو کوئی مبالغہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس دور کے مدارس درود دیوار کے محتاج نہیں تھے اور ایک انار کے درخت تلے بھی مدرسہ؛ بلکہ ام المدارس قائم ہو جاتا تھا، یہی سبب تھا کہ اس دور کے مدارس میں نہ کلاس کی حد بندی تھی، نہ حاضری رجسٹر اور گھنٹہ دار پڑھائی کا نظام تھا، اور ایسا بھی نہیں کہ فلاں کلاس میں فلاں کتاب ہی پڑھنی ہے، اور نہ ہی امتحان ہال میں مگرانی کی حاجت تھی اور نہ ہی نماز جیسی اہم عبادت کے لیے دوڑانے اور بھاگنے کے لیے اساتذہ کی مگرانی تھی، الغرض تربیت یافتہ اساتذہ کی تربیت ہی طلبہ عزیز کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی تھی، پھر کوئی طالب علم ”شیخ الاسلام“ تو کوئی ”حکیم الاسلام“ کی شکل میں ابھرتا اور کوئی مفکر ملت ہوتا تو کوئی ”حکیم لامت“ بنتا۔

دینی مدارس کا دوسرا عہد وہ ہے، جس میں بیشتر مدارس کے مزاج و مذاق بدل گئے، مغرب سے درآئے جدید طور طریقے چور دروازے سے درآئے، اساتذہ و طلبہ میں دوریاں دراز ہونے لگیں، علم دین کا حصول عصری علوم کی طرح ہو گیا، ادب و احترام جو مدارس کا طرہ امتیاز تھے، وہ کتابوں میں محدود ہونے لگے، اساتذہ و طلبہ میں بدگمانی کی دیوار قائم ہونے لگی، مدارس اور طلبہ کی تعداد ماشاء اللہ خوب بڑھی اور بڑھ رہی ہے؛ مگر اخلاص و توکل کی عمارت کمزور سے کمزور تر ہونے لگی ہے، معاش کی فکر، فکر معاد پر غالب آنے لگی، دینی مدارس کو سرکاری مدارس میں تبدیلی کی لہر چلی، دنیا اور دنیا کی غیر ضروری چیزیں مدارس میں نہ جانے کب دسبے پاؤں گھس گئیں، پتہ بھی نہ چلا، تعلیم برائے تعلیم ہو گئی اور تربیت کی اہمیت و ضرورت کا خیال رفتہ رفتہ مٹنے لگا؛ نتیجہ یہ ہوا کہ ادب و عمل زندگی سے رخصت ہونے لگے، تربیتی کتابیں (گلستاں، بوستاں، فتح العرب، تہذیب الاخلاق اور پندنامہ جیسی دیگر کتب)

داخل نصاب اب بھی ہیں؛ لیکن الفاظ کی حد تک، معانی و حقیقت سے صرف نظر کا مرض بڑھتا جا رہا ہے، امتحان کے بعد ذہن و زندگی سے وہ قیمتی مضامین اور اقوال زریں محو ہو جاتے ہیں۔ اول الذکر مدارس کے عہد کے اکابر کی تربیتی باتیں اور ان کے واقعات کو پڑھ اور سن کر سراہا تو جانے لگا؛ لیکن ان پر عمل کی فکر ختم ہونے لگی۔ یہاں ٹھہر کر یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس ثانی الذکر حالات سے بعض مدارس اور کچھ ارباب مدارس مستثنیٰ ہیں، طلبہ اور اساتذہ کی مختصر سی جماعت اپنے اکابر و اسلاف کے خطوط و نقوش کی حفاظت میں تن من و دھن سے لگی ہوئی ہے اور وہی فکر، وہی انداز اور وہی وضع قطع اپنائے ہوئی ہے، انھیں یقین ہے کہ اکابر کا طرز ہی کامیابی کا خطہ مستقیم ہے۔

اب کرنا کیا ہے؟

ثانی الذکر حالات کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا اساتذہ، کیا طلبہ یا دونوں یا پھر کوئی غیر علمی بیرونی طاقت مثلاً موبائل و انٹرنیٹ کا منفی استعمال وغیرہ؟ اس کا جواب تلاش کرنا مشکل نہیں ہے، بہر حال جواب جو بھی ہو، مدارس کا نظام اساتذہ و طلبہ سے رواں دواں رہتا ہے اور استاذ و شاگرد کے مقدس رشتوں کی روایت بہت پرانی ہے اور دن رات انھیں کو ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا ہے؛ اس لیے انھیں دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس پرانی روایت کو پھر سے زندہ کریں، اساتذہ کرام پھر وہی شمع روشن کریں، جس سے ماضی کی تاریخ روشن ہے، خاک کے میں پھر وہی پرانا رنگ بھریں جس کے بغیر عہدِ اوّل کی تصویر دھندلی ہو گئی ہے، اور طلبہ، اساتذہ کا بھرپور تعاون کریں اور ان کیلئے ہدیہ دل پیش کرنے کا جذبہ رکھیں، ان کی ہدایت و رہنمائی کو مصمم قلب سے قبول کریں، انھیں آئیڈیل اور مشعل راہ خیال کریں؛ کیونکہ علم و ادب صرف کتابوں سے نہیں حاصل کیا جاسکتا؛ ورنہ کتب خانے کے مالکان حضرات عالم ہی نہیں علامہ ہوتے، مولانا تھانویؒ کی طرف، غالباً مجالس حکیم الامت میں یہ بات الفاظ کے فرق کے ساتھ لکھی ہوئی کہ کسی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے ڈھیر ساری کتابیں لکھی ہیں، اس کے لیے ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، حضرت نے فرمایا: میں نے کتب تو کم ”تُکَلِّبُ“ زیادہ پڑھے ہیں، یعنی مجھے جو کچھ آیا ہے وہ حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت یعقوب نانوتویؒ اور دیگر اساتذہ کرام کی تعلیم اور ادب و تربیت سے آیا ہے۔ طلبہ حضرت تھانویؒ کی یہ بات حرز جان بنالیں تو پھر سے وہ روایت زندہ ہو سکتی ہے، تربیت اور ادب و احترام ہی وہ مرکزی نقطہ ہے، جس سے دینی مدارس اور عصری تعلیم گاہوں میں فرق ہو سکتا ہے، طلبہ یہ یقین کریں کہ اساتذہ کرام، والدین کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں اور اساتذہ یہ خیال تازہ کریں کہ طلبہ قوم و ملت کے ہیرے ہیں، انھیں تراش خراش کر عمدہ بنانا، انھیں کی ذمہ داری ہے، طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ سارے اساتذہ کا یکساں ادب کریں، اپنے اساتذہ کے ساتھ خاص عقیدت و محبت ہو اور اساتذہ اپنے طلبہ کے ساتھ خاص شفقت کا معاملہ کریں۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اکابر نے کتابوں کے ساتھ، اساتذہ کا ادب

وا احترام بھی بہت زیادہ کیا، جس کی وجہ سے اساتذہ نے بھی ان کی تربیت کی نگرانی، ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ تربیت ادب کے باب میں کوتاہی ہمارے لیے مہلک ہے، اساتذہ سفیان ثورٹی کے اس جملے پر غور کریں کہ ”موٹ الا کتابہ نکتہ“ بڑوں کی رحلت نے ہمیں بڑا بتایا یعنی آج کا طالب علم ہی مستقبل میں استاذ ہوگا، اگر طالب علم کی صحیح تربیت نہیں ہوئی تو دوسروں کی تربیت وہ ناقص ہی کرے گا، اور طلبہ میں جب تک جذبہ اطاعت اور سلیقہ و ادب کا فقدان ہوگا، اساتذہ ان کی تربیت کما حقہ نہیں کر سکتے۔

علم تو لازم شے ہے یعنی کبھی اس کا فائدہ دوسروں تک نہیں پہنچا کرتا، عالم کی ذات ہی تک محدود رہتا ہے؛ لیکن تربیت و ادب متعدی چیزیں ہیں، ان کا اثر اوروں پر ضرور پڑتا ہے۔

محبت صالح ترا صالح کند محبت طالح ترا طالح کند

شیخ سعدی بہت پہلے کہہ گئے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت کے ذریعہ ہی صحابہ کرام کو عظیم انسان کی صف میں لاکڑا کر دیا، آپ علیہ السلام کو معلم کائنات کے ساتھ ساتھ مربی کائنات بھی بنایا گیا، قرآن نے آپ کا فریضہ تعلیم کتاب کے ساتھ ترکیہ نفوس بھی بتایا ہے، طلبہ کو یہ ماننا پڑے گا کہ ضابطہ کا علم کتابوں سے آسکتا ہے؛ لیکن حقیقی دین بغیر کسی کی جوتیاں سیدھی کیے نہیں آسکتا ہے، آج مدارس کے طلبہ کی اکثریت، عموماً اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ مدارس میں ان کی آمد کا مقصد کیا ہے؟ اور فراغت کے بعد ان کا میدان کار کیا ہوگا؟ اساتذہ انہیں اس کی طرف تربیت ہی کے ذریعہ متوجہ کر سکتے ہیں۔

ہم نے اگر ان وجوہات و گزارشات پر سنجیدگی و اہمیدگی کے ساتھ غور کیا اور عملی طور سے برتنے کی کوشش کی تو کافی حد تک تبدیلی کی امید کی جاسکتی ہے، اور ان باتوں کو قصہء پارینہ ہونے سے بچایا جاسکتا ہے، اور تربیت و ادب کے حوالے سے مثبت انقلاب اساتذہ و طلبہ ہی لاسکتے ہیں کوئی تیسرا نہیں، ورنہ تربیت و عمل کی رخصت پزیری کا سفر جاری رہے گا، جو ہمارے لیے اور قوم و ملت کے لیے بہت ہی مضر ثابت ہوگا۔

فری اسلامی تعلیم کیلئے سکا لرشپ برائے سعودی یونیورسٹیز

وہ حضرات جنہوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی یا کسی دینی مدرسے سے العالمية کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر 23 سال سے زائد نہ ہو یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر 30 سال سے زائد نہ ہو۔

رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی)

سابق مترجم مولجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ، چیئرمین ادارہ اشاعت اسلام لاہور۔